نبوت کی حقیقت اور اس کی ضرورت و اہمیت

از جناب مولانا گوہر رحمٰن صاحب

(۲)

حکومت و سیاست سیاست کا مادّہ س، و، س ہے۔ ان حروف سے مصدر کا صیغہ "سَوْسًا" اور "سیاسۃ" آتا ہے۔ باب ہے: سَاسَ یَسُوْسُ بر وزن قَالَ یَقُوْلُ اس لفظ کا اساسی اور بنیادی مفہوم ہے اصلاح کرنا، کسی چیز یا قوم کی حالت سنوارنا اور اصلاحی تدابیر اختیار کرنا۔ اسی بنیادی مفہوم کو ملحوظ رکھتے ہوئے لفظ سیاست، سیادت، قیادت، امارت اور حکمرانی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

ابن منظور افریقی، ابن اثیر، صاحب تاج العروس شرح قاموس، امام نووی، بدرالدین عینی اور صاحب منجد سب نے اسی طرح لکھا ہے۔

سُسْتُ الرَّعِیَّۃَ سِیَاسَۃً وَسُوِّسَ الرَّجُلُ اُمُوْرَ النَّاسِ اِذَا مُلِّكَ اَمْرَهُمْ وَالسَّوْسُ الرِّیَاسَۃُ۔ وَالسِّیَاسَۃُ الْقِیَامُ عَلَی الشَّیْءِ بِمَا یُصْلِحُهٗ۔[۱]

(ترجمہ) میں اپنی رعیت کی قیادت کر رہا ہوں، فلاں شخص کو لوگوں کے معاملات میں سیاست دے دی گئی ہے یعنی اسے ان کا حکمران بنا دیا گیا ہے۔ سَوس (سیاست) ریاست اور حکومت کو کہا جاتا ہے۔ اور سیاست کا اصل مفہوم کسی چیز کی اصلاح کرنے کو کہا جاتا ہے۔

---

۱ لسان العرب۔ ج ۶۔ ص ۱۰۸۔ تاج العروس۔ ج ۴۔ ص ۱۶۹۔ نہایہ ابن اثیر ج ۲۔ ص ۱۹۲۔ (مادہ سوس) نووی شرح مسلم۔ ج ۲۔ ص ۱۲۶۔ کتاب الامارۃ عمدۃ القاری ج ۱۶۔ ص ۴۳۔ باب ما ذکر عن بنی اسرائیل۔

صاحب منجد لکھتے ہیں:۔

السِّيَاسَةُ اِسْتِصْلَاحُ الْخَلْقِ بِاِرْشَادِهِمْ اِلَى الطَّرِيْقِ الْمُنْجِيْ فِي الْعَاجِلِ اَوِ الْاٰجِلِ۔

(ترجمہ) سیاست مخلوق کی اصلاح کا نام ہے کہ اُن کو وہ طریقے بتائے جائیں جو ان کو مشکلات سے نجات دلاتے ہوں فی الحال یا مستقبل میں (یا دونوں حالتوں میں)۔

سَاسَ الْقَوْمَ سِيَاسَةً دَبَّرَهُمْ وَ تَوَلّٰى اَمْرَهُمْ[1]

(ترجمہ) فلاں شخص نے قوم کی سیاست اپنے ہاتھ میں لے لی یعنی وہ ان کے معاملات اور مسائل کے حل کا انتظام کر رہا ہے اور ان کا حکمران اور والی بنا دیا گیا ہے۔"

جدید طرز کی مادّہ پرستانہ سیاست میں اخلاق، تربیت اور تہذیب کے اصول شامل نہیں ہیں بلکہ یہ صرف جنگِ اقتدار اور ہوسِ حکمرانی کا نام بن گئی ہے۔ لیکن حکمائے یونان اور دیگر فلسفیوں کے نزدیک علم سیاست اُن اصول و تدابیر کا نام ہے جن سے معاشرے کے افراد کی اخلاقی اصلاح اور انفرادی تربیت بھی ہوتی ہو اور اُن سے اجتماعی معاملات کے حُسن انتظام اور قیامِ عدل کا کام بھی لیا جا سکتا ہو۔ اس لحاظ سے علمِ سیاست میں علمِ اخلاق بھی شامل ہے اور حکمرانی بھی اس میں شامل ہے۔ بہترین اور معیاری سیاست دان وہی ہو سکتا ہے جو اعلیٰ ترین مُربّی اور مُعلّمِ اخلاق بھی ہو اور بہترین حکمران بھی ہو۔ اس قسم کا کامل حکمران اور قائد صرف خدا کا نبیؐ ہی ہو سکتا ہے جس میں قیادت و سیادت کی صلاحیتیں فطری ہوتی ہیں اور جس کے قلب کا خفیہ تعلق براہِ راست خالقِ کائنات اور حاکمِ حقیقی سے ہر وقت قائم رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا میں سب سے پہلا انسان یعنی آدمؑ خلیفہ اور قائد کی حیثیت سے تشریف لایا تھا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔ (البقرہ۔ ۳۰) "یقیناً میں پیدا کر رہا ہوں زمین اپنا نائب"۔

---

[1] المنجد ص ۳۶۲۔ مادّہ سَوَس

علامہ آلوسیؒ (م ۱۲۷۰ھ) خلیفہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

إِنَّهُ خَلِيفَةُ اللهِ فِي الأَرْضِ وَكَذَا كُلُّ نَبِيٍّ اسْتَخْلَفَهُمْ فِي عِمَارَةِ الأَرْضِ وَسِيَاسَةِ النَّاسِ وَتَكْمِيلِ نُفُوسِهِمْ وَتَنْفِيذِ أَمْرِهِ[1]

(ترجمہ) حضرت آدمؑ خدا کا مقرر کردہ خلیفہ ہے۔ اس کی زمین پر اسی طرح ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ زمین کی تعمیر، لوگوں کی سیاست و قیادت ان کے تزکیہ نفس و تکمیل نفوس اور اپنے احکام و قوانین کے نفاذ کے لیے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ ابن مسعودؓ نے خلیفۃ اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اى يَخْلُفُنِي فِي الْحُكْمِ بَيْنَ خَلْقِي وَذَا الْخَلِيفَةُ آدَمُ وَمَنْ قَامَ مَقَامَهُ فِي دِينِ اللهِ وَالْحُكْمِ بَيْنَ خَلْقِهِ[2] (تفسیر ابن جریر البقرہ آیت ۳۰)

(ترجمہ) یعنی آدمؑ میری مخلوق کے درمیان فیصلے کرنے میں میرا خلیفہ ہے۔ یہ خلیفہ آدمؑ ہے اور ہر وہ شخص ہے جو نفاذ دین اور مخلوق کے درمیان فیصلے کرنے میں قائم مقام ہو۔

علامہ ابن اثیر (م ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:-

وكان آدم مع ما اعطاه الله تعالى من ملك الارض نبيا رسولا الى ولده وانزل الله عليه احدى وعشرين صحيفة كتبها آدم بيده علمه اياها جبريل[3]۔

(ترجمہ) آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے زمین کی حکمرانی عطا فرمائی تھی اور اس کے ساتھ وہ اپنی اولاد کی طرف نبی اور رسول بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ۲۱ صحیفے نازل فرمائے تھے جن کو انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ اور ان صحیفوں کی تعلیم ان کو حضرت جبرئیلؑ نے دی تھی۔

آدم علیہ السلام کے بعد بنی نوع انسان کی ریاست و سیاست ان کے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کے

---

[1] روح المعانی۔ ج ۱۔ ص ۲۲۰۔ طبع لاہور۔

[2] تفسیر ابن جریر۔ البقرہ۔ آیت ۳۰۔

[3] الکامل لابن اثیر ج ۱۔ ص ۴۷۔ طبع بیروت ۱۹۶۵ء۔

سپرد ہو گئی تھی چنانچہ ابن جریر طبریؒ اور حافظ ابن کثیرؒ دونوں نے لکھا ہے :-

وصارت الرياسة من بعد وفاة آدمؑ لشيثؑ فانزل الله عليه فيما روى عن رسول الله خمسين صحيفة[1]۔

(ترجمہ) اور ریاست و سیاست آدمؑ کی وفات کے بعد شیثؑ کو منتقل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رسول اللہ کی ایک روایت کے مطابق ۵۰ صحیفے نازل فرمائے۔ شیث کے بعد ان کی قوم کی قیادت ان کے صاحبزادے انوش کے سپرد ہوئی اور اس نے آدمؑ اور شیثؑ کے طرز پر قوم کی رہنمائی فرمائی۔

ابن جریر لکھتے ہیں :-

وَقَامَ انوش بعدَ مَضىٰ اَبِيهِ شيث لِسَبِيلِهِ بِسِيَاسَةِ الْمُلْكِ وَتَدبِيرِ مَنْ تَحْتَ يَدَيْهِ مِنْ رَعِيَّتِهِ مقامَ اَبِيهِ شيث وَلَمْ يَزَلْ عَلىٰ مَا ذُكِرَ عَلىٰ مِنْهَاجِ اَبِيهِ لَا يُوقَفُ مِنْهُ علىٰ تغيير ولا تبديل[2]۔

(ترجمہ) شیثؑ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے انوش نے ملکی سیاست اور رعیت کا نظم و نسق چلانے کے لیے اس کی جگہ لی اور ہمیشہ اپنے باپ کے طرز پر ثابت قدم رہے ان سے کسی تبدیلی یا ترمیم و تغیر کی اطلاع نہیں مل سکی"۔

انبیاء بنی اسرائیل کے متعلق صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ان کا کام ہی سیاست تھا :-

عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِىٌّ خَلَفَهُ نَبِىٌّ وَاِنَّهُ لَا نَبِىَّ بَعْدِىْ وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ[3]۔

---

[1] تاریخ الامم والملوک لابن جریر الطبری ۔ ج ۱ ۔ ص ۷۶ ۔ ذکر ولادۃ حواء۔

[2] تاریخ الامم ۔ ج ۱ ۔ ص ۸۱ ۔

[3] بخاری ۔ کتاب الانبیاء ۔ باب ما ذکر عن بنی اسرائیل ۔ مسلم ۔ ج ۲ ۔ ص ۱۲۶ ۔ کتاب الامارۃ باب الوفا ببیعت الاول فالاول ۔

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی سیاست اور انتظام ان کے انبیاء کے ہاتھ میں تھا جب بھی کوئی نبی وفات پا جاتے تو دوسرا نبی اس کی جگہ آ جاتا اور یقیناً میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور خلفاء آتے رہیں گے۔"

"تَسُوسُهُمْ" کی تشریح کرتے ہوئے ابن الاثیر، بدر الدین عینی اور امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

اے تَتَوَلَّى أُمُورَهُمْ كَمَا تَفْعَلُ الْأُمَرَاءُ وَالْوُلَاةُ بِالرَّعِيَّةِ[1]

(ترجمہ) یہ انبیاء ان کے معاملات کا انتظام کیا کرتے تھے جیسا کہ حکمران اپنی رعیت کے معاملات کا نظم و نسق چلایا کرتے ہیں۔

شیخ عبدالغنی دہلوی (م ۱۲۹۵ھ) لکھتے ہیں:۔

(تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ) مِنَ السِّيَاسَةِ وَهِيَ السِّيَاسَةُ التَّأْدِيبُ عَلَى الرَّعِيَّةِ[2]

(ترجمہ) تسوس کا لفظ سیاست سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ہیں حکمرانی اور رعیت کی تربیت۔"

مذکورہ بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیاست و حکومت درحقیقت خاصۂ نبوت ہے۔ نبی کے علاوہ دوسرا شخص یا گروہ اسی وقت حکمرانی کا جائز حقدار ہوتا ہے جب کہ وہ اپنے آپ کو خلیفۂ رسولؐ سمجھ کر اپنی سیاست و حکومت کو سنتِ رسول اور منہاجِ نبوت کے مطابق چلا رہا ہو ورنہ اس کی حکومت کی کوئی شرعی اور قانونی حیثیت نہیں ہوگی۔ پابند شریعت حکومت کا نام اسلامی اصطلاح میں خلافت ہے۔ اسی خلافت کو "سِيَاسَةٌ دِينِيَّةٌ" یعنی اسلامی سیاست کہا جاتا ہے۔ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:۔

ملکی قوانین اور سیاسی اصول جب ملک و دولت کے "دانشوروں" اور لیڈروں کے وضع کردہ ہوں تو اس کو سِيَاسَتِ عَقْلِيَّہ (یا وضعیہ) کہا جاتا ہے جو لوگوں کو سیاست دان کی ذاتی خواہشات اور اغراض پوری کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ لیکن جب قوانین اللہ کی جانب سے مقرر کردہ ہوں جن کو اس کا پیغمبر (شارع) نافذ کرتا ہے تو یہ "سیاست دینیہ" ہے جو دنیا اور آخرت دونوں کے لیے مفید ہے۔

---

[1] نہایہ ابن اثیر۔ ج ۲ ص ۱۹۲۔ عمدۃ القاری ج ۱۶ ص ۴۳۔ نووی شرح مسلم ج ۲۔ ص ۱۲۶۔

[2] انجاح الحاجۃ۔ حاشیہ ابن ماجہ۔ ص ۲۰۶ طبع کراچی۔

اسی کو خلافت کہا جاتا ہے جو لوگوں کو دُنیوی اور اُخروی دونوں زندگیوں کے مصالح اور فوائد حاصل کرنے کے لیے شریعت پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کرتی ہے تو خلافت اصل میں صاحبِ شریعت (نبیؐ) کی نیابت ہے دین کی حفاظت اور دُنیا کی سیاست (اصلاح) کے کام میں۔[1]

حافظ ابن القیمؒ (م ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:۔

لَا نَقُوْلُ اَنَّ السِّيَاسَةَ الْعَادِلَةَ مُخَالِفَةٌ لِلشَّرِيْعَةِ الْكَامِلَةِ بَلْ هِيَ جُزْءٌ مِنْ اَجْزَآءِهَا وَبَابٌ مِنْ اَبْوَابِهَا۔[2]

"ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ عادلانہ سیاست شریعت کاملہ کی مخالف ہے بلکہ یہ تو اس کا ایک جزء اور ایک شعبہ ہے۔"

حافظ ابن القیمؒ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

"شریعت ایسی کامل ہے جس سے زیادہ کامل سارے جہان میں کوئی دوسرا قانون نہیں ہے توجو شخص یہ خیال رکھتا ہو کہ کسی اور سیاست کی ہمیں ضرورت ہے تو وہ شخص در اصل یہ خیال رکھتا ہے کہ ہمیں دوسرے رسول کی ضرورت ہے۔" (اس لیے کہ سیاست تو شریعت میں کامل طور پر موجود ہے گویا)[3]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی خلافت کی تعریف میں لکھتے ہیں:۔

"معنی خلافت در لغت جانشینی است کہ یکے بجائے دیگرے بنشیند و بہ نیابت او کار کند و در شرع مراد از وے بادشاہ است برائے تصدی اقامتِ دین محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیمات بہ نیابتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم"[4]

(ترجمہ) خلافت کے معنی لغت میں جانشینی کے ہیں کہ ایک شخص کسی کا قائم مقام بنایا جائے جو نیابتاً اس کا کام انجام دے رہا ہو۔ اور اصطلاح شریعت میں اُس اسلامی حکومت کو کہتے ہیں جو رسول اللہؐ

---

[1] مقدمہ ابن خلدون فصل فی الخلافت ص ۱۹۵ - ۱۹۶ -

[2] اعلام الموقعین۔ ج ۴ - ص ۲۶۲ طبع مصر ۱۹۶۹ء -

[3] اعلام الموقعین۔ ج ۴ - ص ۲۶۴ طبع مذکورۃ الصدر

[4] ازالۃ الخفاء - ج ۱ - ص ۲۵۶ - مقصد اوّل - فصل ہفتم -

کی نیابت کے طور پر اقامتِ دین (نفاذِ شریعت) کا کام کرتی ہو"۔

نائب رسول کی شرط اس لیے لگائی گئی ہے کہ سیاست اور حکومت اصل میں نبی کا کام ہے۔ خلیفۂ رسول یعنی اسلامی نظامِ حکومت کا سربراہ تو مختارِ کل اور مقتدرِ اعلیٰ نہیں ہوتا بلکہ کارِ نبوت یعنی اقامتِ دین کا کام منہاجِ نبوت کے مطابق انجام دینے کا پابند ہوتا ہے۔

سیاست اور قیادت کے لیے درج ذیل بنیادی اوصاف ضروری ہیں:۔

۱۔ نظم ونسق چلانے کی استعداد۔

۲۔ امن وامان قائم رکھنے اور ملک کو خطرات سے محفوظ رکھنے کی قابلیت۔

۳۔ اولوالعزمی، مضبوط قوتِ ارادی اور بہادری وفیاضی۔

۴۔ عدل وانصاف اور دلسوزی وہمدردی کے جذبات کا موجود ہونا۔

۵۔ رعایا کی تنظیم کے ساتھ ان کی تربیت وتعلیم کے کامل نظام کی پوری استعداد اور قابلیت۔

۶۔ اور عام اخلاق وکردار کی برتری۔

یہ وہ صفات ہیں جن کے بغیر کوئی شخص قائد اور حکمران کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک انسان تاج وتخت کا مالک تو ہو مگر ان اوصاف سے عاری ہو تو عقلاء اور حکماء اسے صرف صورت کا بادشاہ کہتے ہیں، حقیقت میں وہ قزاق، لٹیرا اور بندۂ نفس وہویٰ ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی انسان تاج وتخت، دولت و مال، شان وشوکت، فوج ولشکر اور شاہی محلات کا مالک تو نہ ہو، مگر مذکورہ صفات اور سیرتِ ملوک کا مالک ہو تو وہ اپنی درویشی میں بھی بادشاہ کہلاتا ہے۔ اس کی حکومت لوگوں کے دلوں پر قائم ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے حکمرانی کے مذکورہ اوصاف علیٰ وجہ الکمال موجود ہوتے ہیں۔

علم وحکمت صحیح علم اور حقیقی حکمت کے لیے چند امور کا موجود ہونا ضروری ہے۔ ان کے بغیر صرف نام کی حکمت اور برائے نام علم ہوگا۔ حقیقت میں جہل وسفاہت ہوگی۔

- جزم وقطعیت اور حقیقتِ نفس الامریہ کی ترجمانی
- خواہشاتِ نفس اور ماحول کے تاثرات سے پاک ہونا۔
- مصالحِ عالم کا سبب ہونا۔
- وحدتِ انسانیہ کا ضامن ہونا۔

انبیاء علیہم السلام کے علم و حکمت کا سرچشمہ وحی خداوندی اور علم الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم قطعی اور حقیقت نفس الامر یہ کے عین مطابق ہوتا ہے اور خواہشات و ماحول کے تاثرات سے بالکل پاک ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم مصالحِ عالم، حقوقِ انسانیت اور وحدتِ انسانیت کا موجب ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ سارے جہان کا یکساں مالک اور حاکم ہے۔ نبی کے قلب میں اسی آفاقی اور حقیقی حکمت کا بحرِ ذخار موجود ہوتا ہے۔

فلسفہ فلسفے کی بنیاد عقلِ انسانی پر ہے۔ افلاطون کی فلسفیانہ آمریت ہو یا ارسطو کی فلسفیانہ جمہوریت اشتراکی آمریت ہو یا یورپ کی سیکولر جمہوریت ہو۔ موروثی اور شخصی بادشاہت ہو یا نیشنل ازم پر مبنی فاشزم ہو، ان سب نظاموں کی بنیاد علم انسانی اور عقل و تجربہ پر ہوتی ہے۔ اور عقلِ انسانی خدا کی بہت بڑی نعمت ہونے کے باوجود بہر حال خواہشاتِ نفس اور ماحول کے تاثرات سے بالکل خالی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے عقلی علم و حکمت پر مبنی نظام ہر حال میں کامل نہیں ہو سکتا۔

انسانی عقل سب سے پہلے اپنی یا اپنی قوم اور اپنے قبیلے یا طبقے کی مصلحت کو مدنظر رکھتی ہے، اس لیے اس کا وضع کردہ نظام ساری انسانیت کے حقوق اور سارے جہان کی مصلحت کا ضامن ہرگز نہیں بن سکتا۔

تمام انسانوں اور دانشوروں کی سوچ یکساں نہیں ہو سکتی اور آج تک دُنیا کے فلاسفہ بعض بنیادی حقائق میں بھی متحد نہیں ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ فکری انتشار معاشرتی اتحاد کا موجب کبھی نہیں بن سکتا۔ اس لیے عقلی حکمت کبھی بھی وحدتِ انسانیت کا عالمگیر منشور پیش نہیں کر سکتی۔

رُشد و ہدایت صحیح قسم کی تربیت اور مرشد کامل کے لیے کم از کم درج ذیل اوصاف لازمی ہیں:

۱۔ فکرِ دنیا پر فکرِ آخرت کو ترجیح دینا اس لیے کہ اصلی زندگی آخرت کی زندگی ہے۔

۲۔ رضائے الٰہی کو اپنے تمام مشاغل کا نصب العین بنانا۔

۳۔ جسم و روح دونوں کے حقوق ادا کرنا لیکن روحانیات کو مادیات پر ترجیح دینا۔

۴۔ خدا، رسول اور دین اسلام کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھنا۔

۵۔ الٰہی نظام کو انسانی نظاموں پر اور خیر کو شر پر غالب کرنے کے لیے جذبۂ جہاد۔

۶۔ استقامت اور صلابت (پختگی) فی الدین۔

۷۔ انسانیت کے مفاد کو ذاتی مفاد پر مقدم رکھنا۔

۸۔ اخلاق حسنہ۔ کمالاتِ رُوحانیہ اور اعلیٰ سیرت و کردار۔

تاریخ گواہ ہے کہ اس قسم کی تربیت انبیاء کرام ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے یا پھر ان مربی حضرات سے مل سکتی ہے جن کی تربیت گاہیں تعلیماتِ انبیاء کا نمونہ ہوں۔ دُنیا کے مرشدین افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ راہبوں، جوگیوں، اشراقی فلسفیوں اور جاہل و غالی صوفیوں کے تربیتی مراکز میں نفس کشی، جسم آزاری اور ترکِ دُنیا کی تعلیم دی جاتی ہے اور مادّہ پرستوں کے نزدیک عیش و عشرت اور عیاشی و نفس پرستی ہی زندگی کا نصب العین ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السّلام کی صحبت میں جن ہستیوں نے تربیت پائی تھی اُن کی زندگی میں جسم و رُوح کا اعتدال قائم تھا وہ شب خیز تھے، فرشتہ سیرت تھے، گھر سے علم کے مالک تھے، زندگی کو تکلفات سے پاک رکھتے تھے، لیکن ساتھ ساتھ وہ روزی بھی کماتے تھے۔ خود بھی کھاتے تھے دوسروں کو بھی کھلاتے تھے۔ ان کے بیوی بچے بھی تھے اور وہ ان سب کا خیال بھی رکھتے تھے۔

(باقی)